روزنامہ
الفضل ربوہ
(ایڈیٹر): نسیم سیفی
فون: ۴۴۹
رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴
جلد ۷۴–۳۹ | سوموار ۱۷ رمضان ۱۴۰۹ھ ۲۴ شہادت ۱۳۶۸ہش ۲۴ اپریل ۱۹۸۹ء | نمبر ۹۴

Digitized by Khilafat Library Rabwah

احمدیوں کی دن رات کی سرگرمیاں اللہ اور رسولؐ کا نام لینا ہے

حکومت کو چاہیئے کہ احمدیوں کے گھروں کو لوٹنے والوں پر بھی تھوڑی سی نظر رکھے

ناظر صاحب امور عامہ محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب کا اخباری خبر پر تبصرہ

ربوہ - ناظر صاحب امور عامہ محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب نے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ احمدیوں کی دن رات کی سرگرمیاں اللہ اور رسولؐ کا نام لینا، نمازیں پڑھنا روزے رکھنا اور راتوں کو اٹھ کر عبادت کرنا ہے اور آجکل رمضان کے مقدس مہینے میں عبادات کا یہ سلسلہ پورے عروج پر ہے - یہی باتیں آجکل احمدیوں کی سرگرمیاں ہیں - صاحبزادہ صاحب موصوف روزنامہ جنگ ۲۱ اپریل ۱۹۸۹ء کی اس خبر پر تبصرہ کر رہے تھے کہ حکومت پنجاب نے صوبے بھر میں قادیانیوں کی نگرانی کا حکم دے دیا ہے - انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ قطع نظر اس سے کہ یہ خبر سچی ہے یا جھوٹی یہ امر ہر شخص پر ظاہر ہے کہ جماعت احمدیہ نہ صرف ایک امن پسند جماعت ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک صادق القول مذہبی جماعت ہونے کی وجہ سے عبادات کو ہی اپنی زندگی کی اصل سرگرمی اور رضائے باری تعالیٰ کے حصول کو ہی معراجِ زندگی سمجھتی ہے - صاحبزادہ صاحب موصوف نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ اُمید ہے کہ حکومت احمدیوں کے گھروں کو جلانے سامان لوٹنے، باغوں کو اجاڑنے، گھریلو سامان کو توڑ پھوڑ کر تباہ کرنے والوں پر بھی تھوڑی سی نگرانی رکھے گی اور اس قماش کے لوگوں کو کھلی چھٹی نہیں دیئے رکھے گی - اور اس طرح سے جماعت احمدیہ کے ساتھ انصاف کا سلوک روا رکھنے کی کوشش کرے گی -

حضور ایدہ اللہ کا تازہ مکتوبِ گرامی

سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ نے خاکسار کے نام ایک حالیہ مکتوب میں نہایت شفقت اور محبّت سے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ آپ سب کو نئی صدی مبارک فرمائے اور غلبۂ دینِ حق کے لئے غیر معمولی خدمات سرانجام دینے کی توفیق دے - آپ نے الفضل کا بہت اچھا نمبر نکالا ہے - تمام معاونین کو میرا خاص طور پر محبّت بھرا اسلام دیں"۔

مدیر الفضل اپنے ہر رفیق کار اور ہر قاری کو اپنا معاون گردانتے ہوئے حضور انور کا محبّت بھرا اسلام پہنچاتا ہے - اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے محبّت بھرے سلاموں کا مستحق بنائے اور دین و دنیا میں ہم سب کے لئے سلامتی کے سامان مہیّا فرمائے۔

الفضل کے خاص نمبر میں حضور انور کی نظم کا ایک شعر کسی قدر غلط چھپ گیا تھا - احباب تصحیح فرمالیں -

ہم آن ملیں گے متوالو بس دیر ہے کل یا پرسوں کی
تم دیکھو گے تو آنکھیں ٹھنڈی ہونگی دِید کے ترسوں کی

نسیم سیفی

اخبار احمدیہ

حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ رقم فرماتی ہیں:

میں بڑی معذرت سے احباب و خواتین کی خدمت میں یہ لکھنا چاہتی ہوں کہ مجھے خط لکھنے والے میرے گھر کے پتہ واقع دار الصدر - ربوہ کے ایڈریس پر خط لکھا کریں - لکھنے والے مختلف پتوں پر لکھتے ہیں - کبھی لجنہ، کبھی پرائیویٹ سیکرٹری اور کبھی کسی اور ایڈریس پر خط لکھ دیا جاتا ہے - اس سے خط ادھر ادھر ہو جاتے ہیں - براہِ کرم میرے گھر کے پتہ پر لکھیں اور لکھنے والے اپنا ایڈریس بھی ضرور لکھا کریں تاکہ جواب دینے میں آسانی ہو -

والسلام مہر آپا

مکرم آغا سیف اللہ خاں صاحب مینیجر الفضل کی صاحبزادی عزیزہ مکرمہ عائشہ طیبہ صاحبہ کے نکاح کا اعلان ہمراہ عزیز مکرم طاہر احمد خاں ابن مکرم کیپٹن محمد صدیق خان صاحب فیکٹری ایریا بعوض مبلغ گیارہ ہزار روپے بعد از نماز مغرب بیت المبارک ربوہ میں مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۸۹ء کو محترم مولانا سلطان محمود انور صاحب ناظر اصلاح و ارشاد نے پڑھا - اس موقعہ پر مختصر خطبہ میں مولانا موصوف نے فرمایا کہ یہ نئی صدی کا آغاز ہے - رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کا بھی آغاز ہے - آج چودھویں کا چاند بھی چند ساعتیں قبل طلوع ہو چکا ہے - اور وقت بھی افطار کا ہے جس کو قبولیتِ دعا سے خاص نسبت ہے - اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے برکت کے ان تمام مواقع کو اس جوڑے کی کامیاب زندگی کی برکتوں میں شامل کر دے اور اپنے فضل و رحم سے اس رشتہ کو ہر جہت سے مبارک اور مسعود کر دے -

ایجاب و قبول کے بعد مولانا صاحب نے دعا کرائی - احباب سے درخواست ہے کہ اس رشتہ کے بابرکت ہونے کے لئے دُعا کریں۔

● مکرم ڈاکٹر غلام محمد حق صاحب (معلّم وقف جدید) ساکن چک ۱۶۶ مراد بوجہ شوگر بیمار ہیں۔ احباب انکی شفایابی کیلئے دعا کریں۔

● میرے والد محترم حکیم ظفر احمد فاروقی صاحب کی طبیعت بوجہ سانس کی تکلیف کے صحیح نہیں رہتی - احباب سے دُعا کی درخواست ہے -

رفیع احمد فاروقی - کوئٹہ

تم یقیناً سمجھو کہ صادقوں کیلئے اس قدر اس کے دروازے کھل جاتے ہیں جسقدر ان کے صدق کا اندازہ ہے (حضرت اقدس)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روزنامہ الفضل ربوہ | پبلشر : مسعود احمد : پرنٹر : قاضی منیر احمد : مطبع : ضیاء الاسلام پریس ربوہ مقام اشاعت : دارالنصر غربی ربوہ - قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

۲۴ ؍ شہادت ۱۳۶۸ ہش
۲۴ ؍ اپریل ۱۹۸۹ء

یہ مجبوریاں

دنیا سکڑ کر اب اتنی چھوٹی ہو گئی ہے کہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں علاقے کا تو ہمیں کچھ پتہ ہی نہیں۔ وہاں کا رہن سہن کیا ہے۔ لوگ کیسے ہیں۔ قواعد قانون کیسے ہیں۔ سب لوگ سب کچھ جانتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے مقابلہ بھی کرتے ہیں ہم بھی دنیا بھر کے قوانین کو دیکھتے ہیں اور ایک بات جو کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کا ایک قانون ایسا ہے جو دنیا کے کسی خطہ میں کسی صورت میں بھی لاگو نہیں ہے۔ سب لوگوں کے لئے اچھے کام ایک جیسے ہیں۔ اور سب لوگوں کے لئے جرم ایک جیسے ہیں۔ ایک بات کی وجہ سے ایک گردن زدنی ہے تو اس بات کی وجہ سے دوسرا بھی گردن زدنی ہے احمدیوں کے متعلق جو آرڈیننس پاکستان میں رائج ہے اس کے ذریعہ انہیں ایسی پابندیوں میں جکڑ دیا گیا ہے کہ جو بات ان کے دل میں ہے زبان پر نہ لا سکیں۔ جو وہ ماننا چاہتے ہیں۔ جو وہ مانتے ہیں۔ اس کا اظہار نہ کر سکیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دوسروں کے جذبات تو مجروح ہو سکتے ہیں احمدیوں کے نہیں۔ عوام الناس اس سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لیکن حکمران یاد رکھیں کہ تاریخ عوام الناس کو نہیں۔ ان کو بُرے نام سے یاد کرے گی۔ تاریخ عوام کو تو اس لئے معاف کر دے گی کہ عوام تو کالانعام ہوتے ہیں۔ قانون بنانے والوں اور اس کے لاگو کرنے والوں سے آنے والا وقت بازپرس کرے گا۔ اور تاریخ جو ان کے متعلق فیصلہ دے گی اسے سن کر آنے والی نسلیں مارے شرم کے سر نہ اٹھا سکیں گی۔ اگرچہ بہت کچھ ہو چکا ہے۔ لیکن ابھی وقت ہے کہ وہ غور کریں اور اپنا دامن بچا لیں۔ اس پر کوئی بھی دھبہ اچھا نہیں لگتا۔

کیا کروں کیا نہ کروں کون بتائے گا مجھے
کون کس رہ کو غلط کہہ کے ہٹائے گا مجھے
میری آنکھیں تو لگی ہیں ترے ہونٹوں کی طرف
تیرا ہر قول رہِ راست پہ لائے گا مجھے

——— ابوالاقبال

کانٹے ہیں اور پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے
پیاسوں کے درمیاں ہیں پیالے پڑے ہوئے

آندھی بھی ہے چڑھی ہوئی نازک ہے ڈور بھی
کچھ پیچ بھی ہیں اب کے نرالے پڑے ہوئے

دل سر بمہر۔ کانوں میں روئی بھری ہوئی
آنکھوں میں اختلاف کے جالے پڑے ہوئے

یوں خیمہ زن ہیں راہ زن رادھا کے کنڈ پر
جنگل میں جس طرح ہوں گوالے پڑے ہوئے

آنکھوں میں ہیں انا کی چٹانیں چھپی ہوئی
جیسے سمندروں میں ہمالے پڑے ہوئے

انکار کی نظر میں ہے آمادگی کا نور
فرطِ حیا سے لب پہ ہیں تالے پڑے ہوئے

اترا تھا چاند شہرِ دل و جاں میں ایک بار
اب تک ہیں آنگنوں میں اجالے پڑے ہوئے

تیرے لئے ہی اترے ہیں یہ آسمان سے
جو غم بھی راہ میں ہوں اٹھا لے پڑے ہوئے

مضطر کو فکرِ عصمتِ ایمان و آگہی
یاروں کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے

——— چوہدری محمد علی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نون سین

اطلاعات، آزادی اور سنسر شپ

احمدیہ مطبوعات کی ضبطی تو معمول بن گیا ہے

گزشتہ سالوں میں گروپ ۷۷ خاصا معروف رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ اور وہ آزادی کا طالب ہے۔ جہاں بھی اس کی آزادی کو زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ احتجاج کرتا ہے اور اپنی آزادی واپس لینے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اب ایک اور گروپ سامنے آیا ہے۔ اس کا نام ہے "آرٹیکل ۱۹"۔

بات یہ ہے کہ انسانی آزادی نیمیر کا جو عالمی چارٹر ہے اس کے آرٹیکل ۱۹ میں کہا گیا ہے کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی رائے رکھے اور اس کے اظہار میں آزاد ہو۔ اس حق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس کی رائے میں کسی کی دخل اندازی نہیں ہونی چاہیئے۔ وہ خبر حاصل کر سکتا ہے۔ اور خبر کسی اور کو مہیا کر سکتا ہے۔ چاہے کسی ذریعے سے وہ ایسا کرے۔ اس کے لئے کسی حد و ذریعے کی بھی شرط نہیں ہے۔ یہ آرٹیکل ایسا ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو دنیا میں ہر شخص اپنی رائے کے اظہار کا حق حاصل کر لے۔ اور خبریں حاصل کرنا اور ان کا آگے پہنچانا بھی اس کے لئے ممکن ہو جائے۔ لیکن دنیا کے مختلف حصوں میں اس آرٹیکل کی خلاف ورزی ہو رہی ہے چنانچہ ۱۹۸۶ء میں اسی نام سے یعنی "آرٹیکل ۱۹" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی اب اس کی پہلی رپورٹ منصۂ شہود پر آئی ہے۔ اس کا عنوان ہے:۔

"اطلاعات، آزادی اور سنسر شپ"

اس رپورٹ میں علاقائی تقسیم کے ساتھ ۵۰ ملکوں کا ذکر ہے۔ ان مختلف سیاسی نظام اور نظریات کے حامل لوگ شامل ہیں۔ ہر علاقے میں سنسر شپ کا طریق اور اس کی حدود مختلف ہیں۔ حتیٰ کہ جیسا کہ جارج برنارڈ شا نے کہا تھا سنسر شپ کی انتہائی حد کسی شخص کو قتل کر دینا ہے۔ کیونکہ اس طرح اس کے خیالات یا اس کے اظہار خیالات پر مکمل اور ہمیشہ کے لئے پابندی لگ جاتی ہے۔ رپورٹ کہتا ہے کہ سب سے زیادہ خلاف ورزی افریقہ کے ممالک میں ہو رہی ہے۔ خاص طور پہ صحرا کے جنوبی علاقوں میں۔ اس کے بعد جنوبی امریکہ میں۔ اور مشرق بعید اور مشرق وسطی میں۔ یورپ کے سوشلسٹ ممالک بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مغربی ممالک اور امریکہ بھی ان میں شامل ہے۔ جہاں جمہوریت بڑی مضبوطی سے قائم ہے۔ لیکن رپورٹ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اب اطلاعات کی آزادی آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے۔

اگرچہ اس مختصر سی رپورٹ میں پچاس ممالک کا ذکر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ تفصیل سے کچھ کہا جا سکے لیکن پھر بھی جو کچھ کہا گیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس ضمن میں مختلف ممالک کن حالات میں سے گزر رہے ہیں۔ اور کس کس رنگ میں سنسر شپ کو استعمال کر رہے ہیں۔ کسی رپورٹ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے یا ہر شخص اس سے مطمئن ہو سکتا ہے۔ اس رپورٹ کے متعلق بھی یہ کہنا ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ بعض ممالک کے صحافی اس میں بعض تبدیلیاں کرنا چاہیں۔ یا بعض خامیوں کی طرف توجہ دلانا چاہیں۔ پاکستان میں صحافیوں نے ایک لمبے عرصے تک پری سنسر شپ یعنی چھاپنے سے پہلے مواد کو سنسر کروانا ۱۹۷۹ء اکتوبر سے ۱۹۸۲ء کے جنوری تک) اور اس کے بعد اتنا ہی لمبا عرصہ سلف سنسر شپ یعنی کسی اور سے سنسر تو نہیں کروانا لیکن خود اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ کوئی ایسی بات شائع نہ کی جائے جو حکومت نہیں چاہتی کہ شائع ہو۔ اس عرصہ میں نہایت ظالمانہ اور گھٹیا قسم کے طریق استعمال کئے گئے۔ صحافیوں کو کوڑے بھی لگے اور انہیں بے معنی ہدایات بھی دی گئیں۔ جن میں صحافی ایک یہ ہدایت بھی سامنے لاتے ہیں کہ سرکاری حکم یہ تھا کہ بیگم ضیاء الحق کی تصویر اس وقت تک نہ چھاپی جائے جب تک کہ سرکاری طور پر چھپنے کیلئے اسے پریس کو نہ دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں جس طریق پر سنسر شپ کا استعمال کیا گیا ہے اس کو ضمیر نیازی نے اپنی کتاب "دی پریس ان چینز" میں نہایت اچھے طریق پر تفصیلاً بیان کیا ہے۔ بعض اوقات یہ سنسر شپ بالواسطہ ہوتی تھی اور بعض دفعہ بلا واسطہ اور اب ایسا کرنے کے طریق پہلے سے زیادہ منجھے ہوئے ہو گئے ہیں۔ انڈونیشیا میں تو حکومت کی طرف سے ہدایات زیادہ تر ٹیلیفون پر ہی دے دی جاتی تھیں۔ اس کا نام انہوں نے "ٹیلیفون روایت" رکھا ہے۔ اور اسی میں اخباروں کو بتا دیا جاتا تھا کہ کیا چیز شائع کی جا سکتی ہے۔ اور کیا شائع نہیں کیا جا سکتا۔

جرمن ڈیموکریٹک ری پبلک اور ایسٹ جرمنی کے لوگ اس بات کے عادی ہو گئے ہیں کہ وہ یہ دیکھیں کہ اخبار میں کیا نہیں چھپا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اخبار پڑھتے ہی اس لئے ہیں کہ یہ دیکھا جائے کہ اس میں کون کون سی چیز چھاپنے سے گریز کیا گیا ہے اور وہی دراصل ہمارے لئے خبر ہے۔

ترکی میں کردوں کا ذکر منع تھا۔ اور جب اجازت ملی تو اس شرط کے ساتھ کہ لفظ کرد کے ساتھ تشدد پسند ضرور لکھا جائے پاکستان میں صحافی اس بات کو نہ بھولے ہونگے کہ ۱۹۷۹ء میں فوج کی حکومت نے سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دیا تو اخباروں کو ہدایت کی گئی کہ کسی بھی سیاسی جماعت کا ذکر کرتے ہوئے "کالعدم" ضرور لکھا جائے۔ اور ۱۹۸۳ء میں ایم آر ڈی کو "نام نہاد" لکھنے کی شرط لگائی گئی۔

ایران میں ۱۹۷۹ء میں جب پریس کے قانون سخت تر کئے گئے تو ایک اخبار "آئندگان" نے چار صفحے بالکل خالی چھاپے۔ اور لوگوں نے قانون کی مخالفت کا اظہار کرنے کے لئے اس پرچے کو پہلے سے زیادہ خریدا۔ پاکستان میں شروع شروع میں یعنی سنسر شپ کے دور میں سنسر شدہ جگہوں کو خالی چھوڑنا شروع کیا تھا۔ لیکن پھر یہ بات بھی قابل مواخذہ بن گئی۔ جنوبی افریقہ میں کوئی اخبار "آلو رٹمبو" کا حوالہ نہیں دے سکتا (آلو رٹمبو افریقن نیشنل کانگریس کے صدر ہیں) لیکن ان کی تصویر چھاپی جا سکتی ہے۔ اس کے برخلاف نیلسن منڈیلا کا حوالہ دیا جا سکتا ہے لیکن اس کی تصویر کا شائع کرنا ممنوع ہے۔ ۱۹۷۰ء میں ملیشیا میں یہ ہدایت جاری کی گئی کہ ریڈیو اور ٹی وی دوپہر سے قبل کوئی بری خبر براڈ کاسٹ یا ٹیلی وائز نہ کریں۔ تاکہ سارا دن لوگوں کے اپنے کام میں اس کی یاد حارج نہ ہو۔ ہوائی جہاز کے حادثوں کی خبر دینا بالکل ممنوع تھا تاکہ جو حاجی سعودی عرب ہوائی جہاز سے جانا چاہیں ان کے دل میں خوف نہ پیدا ہو جائے۔

جہاں تک ناواجب باتوں کا تعلق ہے رپورٹ کا کہنا ہے کہ ۱۹۸۴ء میں جب امریکہ کے بیلون پرواز "ملکم فوربس" پاکستان میں مینار پاکستان جیسا غبارہ نہ اڑا سکے۔ تو اخبارات کو ہدایات دی گئیں کہ وہ اس سلسلے میں کوئی نامناسب خبر یا تبصرہ نہ چھاپیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ملکم فوربس کو پاکستان میں جنرل ضیاء نے مدعو کیا تھا۔

اگرچہ کہا جاتا ہے کہ حکومت کے قانون لوگوں کے سامنے کھل کر آنے چاہئیں لیکن عراق نے اس بات پر سنسر شپ عائد کر رکھی ہے۔ صدر مملکت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس قاعدے یا قانون کے متعلق چاہیں اس کی اشاعت پر پابندی عائد کر دیں۔ ہندوستان میں انڈین ایکسپریس بڑا منہ زور اخبار سمجھا جاتا ہے۔ حکومت بھی خاص طور پر اس بات کا خیال رکھتی ہے کہ اسے جس رنگ میں بھی دبایا جا سکے دبانے کی کوشش کی جائے اخباری کاغذ کا کوٹہ کم دیا جائے۔ انکم ٹیکس کے دفاتر کو ان کے پیچھے ڈال دیا جائے یا اور ایسی ہی دیگر باتیں۔

ایران میں جب آیت اللہ خمینی نے کہا کہ صحافیوں کی قلمیں توڑ دو تو ۱۹۸۰ء میں حزب اللہ نے کئی اخباری دفتروں پر ہلہ بول دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے صحافی کمیونسٹوں یا شاہ پرستوں کے ایجنٹ ہیں۔ پاکستان میں بھی جنگ اور فرنٹیئر پوسٹ کے دفتر پر ایسے ہی حملے ہو چکے ہیں۔ فرانس میں ۱۸۸۱ء میں ایک قانون واضح کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر ان کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو وہ اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ اور مذکورہ اخبار کے لئے اس جواب کا چھاپنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور چھپنا بھی تین دن کے اندر اندر چاہیئے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔ یا قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔ ارجنٹائن نے بھی ۱۹۸۴ء میں ایک ایسا ہی قانون منظور کیا جس کے مطابق ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ اپنے متعلق کہی ہوئی باتوں کا جواب دے سکے "آرٹیکل ۱۹" کی رپورٹ میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ پاکستان میں مذہبی اور سیاسی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بنیادوں پر کتابوں اور جرائد پر پابندی عائد کی جاتی ہے۔ احمدیہ جماعت کے مطبوعات پر پابندی لگانا تو ایک معمول کی بات ہو گئی ہے۔ گذشتہ حکومتوں میں تو جس مصنف پر زیادہ پابندی لگتی تھی اس کی اتنی ہی زیادہ پذیرائی ہوتی تھی۔ ایران میں شاہ نامہ پر پابندی لگ چکی ہے۔ حافظ اور سعدی کی نظموں پر نظر ثانی کر کے انہیں پاک وصاف کیا گیا ہے۔ عمر خیام پر بھی پابندی لگی ہے۔ عمر خیام پر پابندی کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اشعار کو ملحدانہ قرار دیا جاتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ امریکہ میں شکسپئر اور مارک ٹوئن کی تصانیف تعلیمی مواد کے طور پر پابندی کے نیچے ہیں۔ روس میں اب اس بات کا احساس بڑھ رہا ہے کہ خبروں یا اطلاعات پر زیادہ دیر تک پابندی لگائے رکھنا ایک ہارنے والی جنگ لڑنے کے مترادف ہے۔

"آرٹیکل ۱۹" تنظیم تمام ایسے احباب کی مدد کی خواہاں ہے جو آرٹیکل ۱۹ کے مطابق آزادی کے خواہشمند ہیں۔ اس تنظیم کا پتہ درج ذیل ہے۔

آرٹیکل ۱۹

۹۰ برو ہائی سٹریٹ لندن

ایس۔ ای۔ آئی۔ ایل این۔ یو۔ کے

ہر وہ شخص جو یہ محسوس کرتا ہے کہ اخبارات پوری طرح اطلاعات ہم پہنچانے سے معذور ہیں وہ اس تنظیم کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کروا سکتا ہے۔ "آرٹیکل ۱۹" کی اس رپورٹ پر روزنامہ ڈان میں زہرہ یوسف نے تبصرہ کیا ہے۔ یہ باتیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں یہ اسی تبصرے سے لی گئی ہیں

درخواست دعا

• خاکسار کے والد مکرم عنایت اللہ صاحب نعیم کارکن شعبہ مال وقف جدید بعارضہ بلڈ پریشر و قلب فضل عمر ہسپتال میں داخل ہیں۔ احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عاجلہ عطا فرماوے۔

حفیظ احمد اسد۔ مربی سلسلہ

• مکرم مقبول احمد صاحب خالد کارکن صدر انجمن احمدیہ کی بھانجی عزیزہ عرشیہ عنبر بعمر چھ ماہ چند دنوں سے بعارضہ اسہال بیمار ہے۔ کمزوری بہت ہے۔

ٹیوشن

مکرم میاں محمد افضل صاحب

محترم نسیم سیفی صاحب نے ٹیوشن کے موضوع پر چند اہم باتوں کی نشان دہی کر کے دعوتِ فکر اور دعوتِ قلم دی ہے اس پر لبیک کہتے ہوئے اپنے لمبے تجربہ کی بناء پر چند باتیں نہایت اختصار سے پیش کرتا ہوں۔

پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ سکولوں مثلاً انگلش میڈیم (جن کے بورڈ تک غلط انگریزی میں تحریر ہوتے ہیں) کی انتہائی تیزی سے بڑھنے والی فیسوں کی ادائیگی کے بعد بھی طلباء کے ذہنوں میں اتنی دھندلی تصویریں کیوں بنتی ہیں کہ ان کے خدوخال نمایاں کرنے کے لئے کسی اور روشنی کے منبع کی تلاش رہتی ہے؟ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ مگر اس وقت صرف دو کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ یعنی ایک وجہ استاد ہے اور دوسری شاگرد۔ اول تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:۔

ایک کلاس روم میں جھانکیئے اس میں لائق ترین اور نالائق ترین طلباء یا یوں کہیئے کہ ذہین ترین اور غبی ترین طلباء یکجا نظر آئیں گے۔ اس قسم کی بے ترتیب گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک حصہ جماعت تو استاد کی بات کو بخوبی سمجھ رہا ہوتا ہے جس کی گواہی طلباء کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک اور ان کے چہروں پہ بات کی تہ تک پہنچنے کے اطمینان بخش تاثر سے ملتی ہے۔ مگر پچھلے بنچوں کی طرف دیکھئے تو کچھ چہرے کورے اور بے نور بھی نظر آتے ہیں۔ کچھ آنکھیں جھپکتے۔ جھنجھلاتے اور پھر اکتاہٹ کا شکار ہوتے نظر آئیں گے۔ ایسی کیفیت پیدا ہونے کی اہم وجہ یہ ہے کہ ہم Ability Group ویز یعنی قابلیت کی بناء پر ترتیب دیئے گئے سیکشن نہیں بناتے۔ نالائق اور لائق کو ایک ہی کمرہ میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ اس سے جہاں شاگرد کے لئے مسئلے کھڑے ہوتے ہیں استاد کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اب جہاں تک انفرادی توجہ کا سوال ہے تو اس کا ذکر محض کتابوں میں ملتا ہے اس کا عملی مظاہرہ عام سکولوں میں شاذونادر ہی نظر آتا ہے مگر اس کا ذمہ دار محض استاد ہی نہیں بلکہ وہ ماحول بھی ہے جس میں اُسے کام کرنا پڑتا ہے۔ یعنی کلاسیں اتنی بڑی ہیں کہ انفرادی توجہ ممکن ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے پرائیویٹ ٹیوشن کی مدد سے اپنی مشکلات حل کرتے ہیں۔

مسئلہ زیر بحث کی دوسری وجہ استاد کی ناقص تربیت ہے جس کے نتیجہ میں استاد تہی دامنی کا شکار معلوم دیتا ہے اور صحیح طریقہ تعلیم سے ناآشنا بھی۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں اساتذہ کی تربیت کا عرصہ دو سے پانچ سال تک ہے جب کہ ہم محض ایک سال میں (جس میں سے چھٹیاں نکال کے آٹھ۔ نو ماہ ہی رہ جاتے ہیں) تربیتی اداروں کے طلباء کو تربیت یافتہ استاد ہونے کا سرٹیفکیٹ تھما دیتے ہیں۔ اب بھلا وہ آٹھ ماہ میں کتنا تعلیمی فلسفہ پڑھ سکے گا۔ کتنی عملی تربیت حاصل کر سکے گا اور کس حد تک ایک خاص ڈھانچے میں ڈھالا جا سکے گا جو اسے ایک صحیح استاد بنا سکے۔ اس محدود عرصہ میں اس پر یہ پابندی بھی نہیں کہ وہ ہوسٹل میں مقیم رہے (جیسی کہ ٹریننگ کالج لاہور میں کسی وقت ہوا کرتی تھی) اور مسلسل نگرانی سے کسی حد تک بہتر تربیت کا اہتمام کیا جا سکے۔ پھر اسی ناقص تربیت پر مستزاد یہ کہ سنجیدگی سے تجربہ کی روشنی میں کچھ سیکھنے کی بجائے وقت ٹالنے کا رویہ اور غیر ذمہ دارانہ انداز (جو نوجوان نسل کی خاصیت بنتی جا رہی ہے) اس کے بہتر استاد بننے میں حائل ہوتے ہیں جس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے یعنی وہ صحیح طریق پر تعلیم دینے میں ناکام رہتا ہے اور شاگرد مجبور ہو جاتے ہیں کہ سکول ٹائم کے بعد پھر کسی اچھے استاد کی طرف رجوع کریں

اب تھوڑی سی بات ہو جائے ٹیوشن کی اقسام کی

پہلی قسم: استاد صاحب کلاس میں کچھ اس انداز سے پڑھا رہے ہیں کہ مسئلہ بجائے سلجھنے کے الجھتا چلا جاتا ہے۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسا دانستہ کیا جاتا ہے تا ذہنی الجھاؤ کا شکار طالب علم انہی استاد صاحب سے امداد کا طالب ہو بلکہ بعض اوقات ایسا کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ اب اچنبہ کی بات یہ ہے کہ کلاس روم کا ناکام استاد اس بات پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ طالب علم کے تاریک ذہن کو روشن کرے۔ اور وہی استاد جس کا کمرہ جماعت میں علم ایک جوئے کم آب کی طرح ہوتا ہے روپوں کی کھنکار سن کے ایک بحرِ بے کراں بن جاتا ہے۔ یہ ہے تو پیشہ ورانہ بددیانتی مگر ہے حقیقت۔

دوسری قسم: استاد نئی روشنی سکول میں کام کر رہا ہے۔ وہ شاگردوں کی ایک خاص تعداد اکٹھی کرنے کا پابند ہے اور اسی مقصد کے حصول کے لئے وہ ایک حل نکال لیتا ہے یعنی سکولوں کے باقاعدہ طالب علموں کو اپنی ایوننگ کلاس میں شامل کر کے ٹیوشن کا پیسہ بھی وصول کرتا ہے اور اچھی تعداد فراہم کرنے کا تاثر دینے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ اور کچھ پڑھا سکے یا نہ مگر ایک محاورہ کی عملی شکل ضرور پیش کر دیتا ہے یعنی "ایک پنتھ دو کاج"۔

تیسری قسم:۔ طالب علم سے باقاعدہ ایک معاہدہ کر لیا جاتا ہے کہ بھئی اتنے ہزار فیس ہو گی۔ پڑھنے پڑھانے کا بوجھ بھی کم ڈالا جائے گا مگر پاس کروانے کی ذمہ داری استاد کی ہو گی۔ یہ کام استاد کا ہے کہ وہ پرچوں کے پیچھے بھاگے یا نقل کا اہتمام کرے اسے تو بس "نیکی" کمانی ہے اور اپنے عزیز شاگردوں کو پاس کروانا ہے۔

چوتھی قسم۔ ایک محنتی اور لائق استاد سے جب کسی بھی سکول کے طالب علم رجوع کرتے ہیں تو وہ بڑی محنت اور توجہ سے ان کی تعلیمی مشکلات دور کرتا ہے۔ ان کے الجھاؤ کو سلجھاتا ہے۔ ان کے ذہن کو جلا بخشتا ہے اور اس کے عوض اپنا محنتانہ (جو ایک معقول سی رقم ہوتی ہے) وصول کرتا ہے۔ طالب علموں کو ایسے استاد چاہئیں اور وہ ایک اہم ضرورت پوری کر رہے ہیں۔

پانچویں قسم: سکول کب کا بند ہو چکا۔ شام کا دھندلکا چھانے لگا مگر ایک بزرگ استاد سکول کے صحن میں اب بھی بیٹھے ہیں۔ ان کے اردگرد شاگردوں کا جمگھٹا ہے۔ استاد اس بات سے بے نیاز کہ کتنا وقت بیت چکا ہے۔ ایک ایک بچے پر توجہ دیتے ہوئے اس کے ذہن کی گرہیں کھول رہے ہیں مگر اس ساری سر دردی۔ اس ساری محنت کے لئے وہ ایک پیسہ بھی وصول نہیں کرتے۔ وہ محض اس بات کے متمنی ہیں کہ ان کے بچے اس امتحان میں جو سر پر کھڑا ہے کامیاب ہوں۔ شاید ایسے لوگ، جو پرانے وقتوں کی روایات برقرار رکھے ہوتے ہیں۔ تعداد میں کم ہوں۔ مگر ہیں ضرور۔ ان کی جیبیں تو خالی ہیں مگر ان کی دہلیز پہ ان کے شاگردوں کی جبینیں احترام سے جھکی ہوئی ہیں اور یہی ان کا معاوضہ ہے۔

یہ تو تھیں چند قسمیں ٹیوشن کی۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

افکار معاصرین

میرے سوال پر مولوی مشتاق نے کہا تھا وہ رزاق جھرنا کو نہیں پہچانتے

بعد میں وہ کہنے لگے میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں

نفیر اے ملک

لاہور ۳۱ مارچ (پ ر) چوہدری ظہور الٰہی کے مقدمہ قتل میں ملوث پھانسی کی سزا پانے والے رزاق جھرنا کے وکیل صفائی مسٹر نفیر اے ملک ایڈووکیٹ نے انکشاف کیا ہے کہ جب فوجی عدالت بریگیڈیئر اعجاز احمد کی سربراہی میں ظہور الٰہی کے مقدمہ قتل کی بند کمرے میں سماعت کر رہی تھی تو مولوی مشتاق حسین پولیس کمانڈوز کی سخت حفاظت میں عدالت میں بطور گواہ استغاثہ پیش ہوئے جس روز مولوی صاحب کی شہادت قلمبند ہو رہی تھی اس روز عدالت شروع ہونے سے دس منٹ قبل فوجی عدالت کے سربراہ نے مجھے چیمبر میں بلایا اور کہا کہ آج ایک "بڑی شخصیت" گواہی دینے آرہی ہے۔ لہٰذا جرح کرتے وقت اس کی ماضی کی حیثیت کا خیال رکھا جائے۔ نفیر ملک ایڈووکیٹ نے بتایا کہ میں نے بریگیڈیئر اعجاز احمد اور عدالت کے دوسرے افسران جن میں میجر ہارون اور عبدالحمید خان درانی مجسٹریٹ شامل تھے کو صاف صاف کہہ دیا کہ جو "بڑی شخصیت" آج گواہی دینے آرہی ہے اس کی آج حیثیت عدالت میں صرف استغاثہ کے ایک گواہ کی ہوگی۔ اور بطور وکیل صفائی میں اپنے مقدس پیشہ کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے تمام قانونی حقوق استعمال کروں گا۔ اس کے بعد جب مولوی مشتاق عدالت میں داخل ہوئے تو کمرۂ عدالت میں موجود تمام لوگ اپنی کرسیوں سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ جس پر مجھے اعتراض ہوا کہ ایک گواہ کی گواہی سے قبل اس کا اتنا احترام کرنا قانون کی منشاء کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب گواہوں کے کٹہرے میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے فوجی عدالت کے روبرو حلف اٹھایا اور پھر انگریزی میں گواہی دینی شروع کر دی۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا جس وقت چوہدری ظہور الٰہی کو حملہ آوروں نے قتل کیا وہ بھی ایم اے رحمان ایڈووکیٹ کے ساتھ چوہدری ظہور الٰہی کی مرسڈیز کار میں سفر کر رہے تھے اور موقعہ پر زخمی ہو گئے تھے۔ مولوی مشتاق حسین نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ جس وقت حملہ آوروں نے اچانک فائرنگ شروع کر دی تو وہ اور ایم اے رحمان کار کی پچھلی نشست پر بیٹھے تھے اور فوری طور پر انہوں نے کار کی اگلی اور پچھلی نشستوں کے درمیان چھپنے کی اور جان بچانے کی کوشش کی۔ مسٹر نفیر احمد ملک ایڈووکیٹ نے بتایا کہ اس کے بعد میں نے مولوی صاحب پر جرح کی اور بے شمار سوالات کے بعد مولوی صاحب سے جب میں نے کہا کہ وہ عدالت میں موجود ملزم رزاق جھرنا کو پہچانتے ہیں تو مولوی صاحب نے کہا کہ "نہیں"۔ مسٹر نفیر ملک ایڈووکیٹ نے بتایا کہ اس کے بعد میں نے مولوی صاحب سے خاص طور پر کہا کہ رزاق جھرنا ایک معصوم اور بے گناہ نوجوان ہے اور پولیس اور حکومت وقت نے اس کو ناجائز ملوث کیا ہے تو مولوی صاحب نے واضح طور پر جواب دیا اور کہا "میں اس بارے میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں"۔ مسٹر نفیر ملک نے مزید کہا کہ مولوی مشتاق کے بیان کے بعد فوجی عدالت کے سربراہ دیگر افسران وکیل صفائی اور وکیل استغاثہ موقعہ واردات پر بھی گئے اور عدالت نے گواہان کے بیانات کی روشنی میں مولوی صاحب کے گھر کے پاس وہ جگہ دیکھی جہاں ظہور الٰہی کو قتل کیا گیا تھا۔ مسٹر نفیر احمد ملک نے کہا کہ تمام مقدمہ کی سماعت ختم ہونے کے بعد جب ملٹری کورٹ نے ان کے دلائل سے اتفاق کرتے ہوئے جھرنا کو بری کرنے کا فیصلہ کیا تو جنرل ضیاء نے وہ ملٹری کورٹ توڑ دی اور بریگیڈیئر اعجاز کو فوج سے ریٹائر کر دیا گیا اور ایک نئی ملٹری کورٹ نے مقدمہ سنے بغیر جھرنا کو موت کی سزا دے دی۔

(روزنامہ نوائے وقت یکم اپریل ۱۹۸۹ء)

رواں دواں

احمد ندیم قاسمی

جب ملک میں سیاست کے نام پر بدامنی کی گھٹا امڈ رہی ہو اور جب جمہوریت کی بحالی کے باوجود عام تاثر یہ ہو (اور یہ بہت تشویشناک تاثر ہے) کہ شاید اب کے بھی جمہوریت دشمن عناصر ملک میں صاف ستھری جمہوریت کے تجربے کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے یا پھر اس تجربے کو طویل آزمائشوں میں سے گزرنا پڑے گا، تو ان حالات میں اگر کسی غیر ملکی مسئلے پر گفتگو کی جائے تو بات حیرت کی تو یقیناً ہے مگر اس لحاظ سے اچنبھے کی بات نہیں ہے کہ ہمارا کرۂ ارض مواصلاتی سہولتوں اور نت نئی سائنسی دریافتوں کی برکت سے بالکل سکڑ کر رہ گیا ہے۔

سیاستدان ہوں یا سائنس دان، ادیب ہوں یا مصور، سماجی کارکن ہو یا فلاحی اداروں والے ..... سبھی کا کہنا ہے کہ کرۂ ارض کے ممالک میں فاصلے بہت کم رہ گئے ہیں اور ہم لوگ دنیا بھر کے بارے میں اتنے باخبر ہو چکے ہیں کہ ابھی بیس بائیس سال پہلے جب مصر پر اسرائیل اور برطانیہ اور فرانس نے حملہ کر دیا تھا تو لاہور میں گوبھی مہنگی ہو گئی تھی۔ کسی دل جلے نے سبزی فروش سے پوچھا کہ آخر گوبھی کے نرخوں میں اتنے اضافے کا سبب کیا ہے اس پر سبزی فروش کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ بولا "صورت سے تو آپ پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں کیا آپ اخبار نہیں پڑھتے؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مصر پر غیر ملکی حملے کی وجہ سے حکومت مصر نے نہر سویز میں آمد و رفت بند کرنے کے لئے وہاں کھڑے سمندری جہاز ڈبو دیئے ہیں۔ اس صورت میں جب مغرب اور مشرق کے درمیان کوئی رابطہ ہی نہیں رہا تو گوبھی مہنگی نہیں ہو گی تو کیا سستی ہوگی؟" اب سبزی فروش کی اس گفتگو میں منطق تلاش نہ کیجئے۔ صرف یہ دیکھئے کہ اس ناخواندہ شخص کے نزدیک بھی دنیا کتنی مختصر ہو گئی ہے۔

ساتھ ہی سوڈان ایک اہم اسلامی ملک ہے اور آج کل مسلمان ملکوں کی اکثریت ماشاء اللہ امیر کبیر ہے۔ تیل کی دولت نے ان کی جیبیں سونے سے اس انتہا تک بھر دی ہیں کہ پھٹنے کو ہیں۔ کیا یہ ثروت مند ممالک چند ارب روپے جمع کر کے سوڈان کے اہل اسلام کے لئے خوراک نہیں خرید سکتے؟ سوڈان میں پانچ لاکھ انسان بھوک سے مر گئے مگر ہم نے تو مسلم ممالک کی کسی مسجد سے، کسی فلاحی ادارے سے، کسی دینی رہنما سے اس طرح کی اپیل نہیں سنی کہ مسلمانو، تم سب بھائی بھائی ہو اس لئے سوڈان کے کم نصیب بھائیوں کی مدد کو پہنچو۔ مگر اسلامی اخوت تو گزشتہ نو برس تک عراق اور ایران کی سرحد پر لہولہان ہوتی رہی ہے۔ اس حالت میں ہم مسلم ممالک سے بھلا کیا توقع رکھیں۔

ہمیں یاد ہے جب روس نے ایک خلائی راکٹ میں ایک کتیا بٹھا دی تھی اور اسے خلا میں روانہ کر دیا تھا تو برطانیہ کے صدر مقام لندن میں اس کتیا پر روس کے اس ظلم کے خلاف لمبے لمبے جلوس نکلے تھے اور جلوس میں شامل عورتیں اس کتیا کے غم میں چیخ چیخ کر رو رہی تھیں۔ ٹھیک انہی دنوں برطانیہ کے فوجی طیارے عمان کے دیہات پر بم برسا رہے تھے اور بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے پرخچے اڑا رہے تھے تب ہم نے اہل برطانیہ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ عمان کے یہ بے گناہ عرب خلائی راکٹ میں تجربۃً بھیجی جانے والی کتیا سے تو کہیں زیادہ قیمتی مخلوق تھے۔ آج ہم یہی سوال پوری دنیا سے کر رہے ہیں کہ سوڈان کے پانچ لاکھ انسانوں کا بھوک سے مر جانا کیا کوئی معمولی ہے؟ بس کے حادثے میں دس بارہ بے گناہ مر جاتے ہیں یا ہوائی جہاز کے حادثے میں سو دو سو مسافر لقمہ اجل ہو جاتے ہیں تو ہم حساس لوگوں کا کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے اور ادھر..... خود روزنامہ "جنگ" کے ایک حالیہ شذرے کے مطابق ...... "اب جبکہ سوڈان کا یہ علاقہ خوفناک قحط کی زد میں ہے اور خوراک کے فقدان اور کمی کے سبب بچے ہڈیوں کے ڈھانچوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ جنوبی سوڈان کے قصبہ ملاکل میں پچھلے ماہ سے روزانہ پندرہ افراد بھوک کی وجہ سے دم توڑ رہے ہیں"۔ کہاں ہیں اقوام متحدہ کے وہ ادارے جن کے وجود کے جواز پر سوڈان کے اس قحط نے خط تنسیخ کھینچ دیا ہے؟ کہاں ہیں بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک کے ارباب اختیار جن کے ایک اشارہ ابرو سے اس انسانی مصیبت کا تدارک ممکن ہے؟ کہاں ہیں عالمگیر اخوت کے دعویدار جن کے سامنے ہڈیوں کے ڈھانچے تیر رہے ہیں اور بھوک سے مرنے والوں کی پتھرائی آنکھیں انہیں گھور رہی ہیں؟ انسان نے بڑے بڑے مسئلے حل کر لئے ہیں مگر کیا اس سے کرۂ ارض کے کسی نہ کسی حصے پر ہر سال قحط پھیل جانے کا حل ممکن نہیں؟ کیا انسانی زندگیاں عالمی سیاست کی قربان گاہ پر ہمیشہ بھینٹ چڑھتی رہیں گی۔ روزنامہ جنگ ۲ / مارچ ۱۹۸۹ء

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یادِ رفتگاں

حضرت میر عبدالسّلام صاحب

محترمہ تنویر الاسلام صاحبہ اہلیہ مکرم صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب

میرے والد میر عبدالسّلام صاحب میر حکیم حسام الدین (سیالکوٹ) کے پوتے اور سیّد میر حامد شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی سیّد محمود شاہ کے بیٹے تھے۔ اس خاندان میں سب سے پہلے بیعت کرنے کا شرف سیّد محمود شاہ صاحب کو ہوا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ملازمت کے سلسلہ میں شہر سیالکوٹ گئے تو میر حکیم حسام الدین کے گھر کے قریب سکونت اختیار کی تھی اور آپکے اس خاندان کے بزرگوں سے دوستانہ مراسم تھے۔ حکیم صاحب نے دیکھا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ زیادہ وقت بند کمرے میں رہتے ہیں۔ ایکدفعہ جاکے دروازہ کھلوایا اور کہا مرزا صاحب کیا یہ مناسب بات ہے کہ آپ کچہری سے آکر کمرہ بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں اپنی صحت کا بھی خیال نہیں کرتے تو آپ جواب میں حکیم صاحب کو اندر لے گئے۔ حکیم صاحب نے دیکھا کہ جائے نماز بچھی ہے اور اس کے سامنے دیوار پر ایک آیت لکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں دفتر سے آکے قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوں۔ یوں اس خاندان نے آپ کا تقویٰ اور دینِ متین سے محبت دیکھی تھی۔ اس لئے آپ سے اختلاف کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ حضرت بانیٔ سلسلہ نے پہلی بیعت لدھیانہ میں لی تو سیّد محمود شاہ صاحب اتفاق سے لدھیانہ گئے ہوئے تھے۔ وہیں بیعت کر لی۔ اس کے بعد میر حامد شاہ صاحب اور انکے بہنوئی سیّد خصیلت علی شاہ صاحب نے ایک ساتھ بیعت کی۔

سیّد خصیلت علی شاہ صاحب نے ایک گواہی دی کہ ہم جب چھوٹے تھے تو ایک رات ہماری خالہ نے ہمارے والد کو آواز دے کے کہا کہ سن لو "امام" سات سال کا ہو گیا ہے۔ اس کا ذکر گھر میں بہت خوشی سے ہوتا رہا۔ جب حضرت بانیٔ سلسلہ نے دعویٰ کیا تو ہم نے اندازہ لگایا۔ یقیناً حضور اسوقت سات سال کے تھے۔ سیّد خصیلت علی شاہ صاحب کے ساتھ ہی انکے بھائیوں سیّد امیر علی شاہ، سید محمد علیشاہ۔ سید احمد علیشاہ نے بھی بذریعہ خط بیعت کر لی۔ حکیم میر حسام الدین اور انکے بیٹے بیٹیوں نے بھی بیعت کر لی۔ اس طرح یہ سب مبائعین میں سے تھے۔

سیّد محمود شاہ صاحب اور انکی بیوی چالیس روز کے وقفے سے عین عالم شباب میں اپنے اکلوتے بیٹے میر عبدالسّلام کو چار سال کی عمر میں چھوڑ کے وفات پا گئے۔ سیّد محمود شاہ صاحب بھی اپنے بزرگوں کی طرح بہت نیک آدمی تھے۔ کہتے ہیں کہ انکے بڑے بھائی میر حامد شاہ صاحب انکی وفات سے چند روز پہلے انکے پاس آئے اور ان سے کہا کہ محمود شاہ جی تمہیں ایک خوشخبری دیتا ہوں کہ جنت میں تمہارا نام ضیاء الدین رکھا گیا ہے۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور گردن جھکا لی۔ کہا کہ بھائی جان میں تو ایک گنہگار آدمی ہوں۔ وفات کے بعد میر عبدالسّلام کی کفالت انکے دادا میر حسام الدین نے کی۔ بہت ناز و نعم سے پرورش کیا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے زمانہ میں بغرضِ تعلیم ان کو قادیان بھجوایا مگر کمزوری صحت کے باعث واپس بلا لیا گیا۔ میٹرک سیالکوٹ میں کیا پھر علی گڑھ یونیورسٹی میں چلے گئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ جماعت کے پہلے امیر منتخب ہوئے۔ جب تک سیالکوٹ میں رہے وہی امیر رہے۔ انکی امارت کا زرّیں زمانہ لوگ یاد کیا کرتے تھے۔ شہر کے معززین نے آپکو الیکشن میں کھڑا ہونے کو کہا تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں ووٹ لینے کیلئے در بدر ملتیں نہیں کر سکتا۔ وفد نے کہا کہ یہ ذمہ داری ہماری ہے مگر آپ نہ مانے۔ ان لوگوں نے آپکے تایا زاد کو منوا لیا۔ یہ بات پسند نہ کی اور کہا کہ ہمارے بزرگوں نے دولت سے نہیں تقویٰ سے عزت حاصل کی تھی۔ بہت غیور انسان تھے۔ لباس سادہ پہنتے۔ کھانے میں ایک سالن کھاتے۔ خاموشی انکی عادت تھی۔ دکھ پہنچنے پر آزردہ ہو جاتے۔ منہ سے کچھ نہ کہتے۔ غیبت سے نفرت تھی۔ کبھی کسی کی برائی نہ کرتے نہ ہی سننا پسند کرتے۔ اپنی جماعت کے افراد پر اعتراض کو اچھا نہ سمجھتے۔

انکے زمانہ امارت میں مخالفین نے ایک مقدمہ کر دیا۔ مولوی فیض دین متولی بیت الذکر ہجرت کر کے قادیان چلے گئے۔ اور بیت الذکر احمدیوں کو دے گئے۔ مولوی صاحب کے عزیزوں نے دعویٰ کر دیا کہ بیت الذکر پر ہمارا حق ہے۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ دونوں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جمعہ کے دن بہت سے مخالف لوگ نماز پڑھنے کو گلی میں جمع ہو گئے۔ پولیس نے کہا کہ پہلے احمدی نماز پڑھ لیں پھر آپ پڑھ لیں۔ میر صاحب نے بہت درد بھرا خطبہ دیا اور نماز شروع کی۔ سجدہ میں اس قدر گڑگڑائے اپنے رب کی چوکھٹ کو ایسے لپٹے کہ باہر کے لوگ تھک کر واپس چلے گئے۔ رب نے زاری سُنی اور بغیر کسی فساد کے یہ قضیہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

رحمدل اتنے تھے کہ ایک شخص قرض کے ہزاروں روپے لے کے بھاگ گیا۔ عدالت میں اس کی درخواست پر کہ میں زمین دے دوں گا مجھ سے صلح کر لیں۔ خود ہی کیس خارج کرا دیا۔ وہ پھر بھاگ گیا۔ پوچھنے پر کہنے لگے مجھے اس پر رحم آگیا تھا۔ زمین بھی دے دی تو کھائے گا کہاں سے۔ اسی طرح سیالکوٹ کے اپنے کارخانے سے کھیلوں کا سامان لنڈن ایک آدمی کو بھجواتے تھے۔ کافی عرصہ رقم نہ ملنے پر لنڈن گئے تو اس شخص نے دیوالیہ نکال دیا۔ اس وقت جنگ چھڑ جانے سے لنڈن میں پھنس گئے اور اُسی کے بیٹے سے اچھے مراسم تھے۔ لنڈن قیام کے دوران ہائیڈ پارک میں لیکچر دیا کرتے تھے۔ انگریز تعریف کرتے کہ ہم اہل زبان ہوتے ہوئے بھی اس جیسی تقریر نہیں کر سکتے۔ جس انگریز کے مکان میں رہتے تھے وہ لوگ کہتے یہ ہمارا مشفق باپ ہے۔ ہم نے ایسا متقی آدمی نہیں دیکھا۔ تعلیم کے زمانہ میں بھی سفر میں بھی قرآن مجید ساتھ ہوتا۔ امارت کے زمانے میں گوناں گوں مصروفیات کے باوجود رات کو صبح کے درس کے لیے تیاری کرتے اور باقاعدہ بیت الذکر میں قرآن مجید کا درس دیتے۔ صوم و صلوٰۃ نماز تہجد کے پابند تھے۔ باوجود صحت کمزور ہونے کے کبھی روزہ قضا نہ کیا۔ کرکٹ کے نامور کھلاڑی تھے۔ اخلاق اور دوستی کا حلقہ اتنا وسیع تھا کہ ہندو سکھ بھی دوستی کا دم بھرتے تھے۔

جب حضرت فضل عمر کشمیر کمیٹی کے صدر رہے تو کانفرنس میں شرکت کی غرض سے سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ تقریر کرنے کو کھڑے ہوئے تو دشمنوں نے پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ میر صاحب حضور کے آگے کھڑے ہو گئے تا کوئی پتھر نہ لگ جائے۔ پتھر آپکو آکر لگنے لگے۔ ہاتھوں سے خون بہنے لگا۔ پتھروں کا ڈھیر لگ گیا۔ بفضلہ تعالیٰ حضور محفوظ رہے۔ حضور اکثر بہت محبت سے میر صاحب کا ذکر فرماتے تھے۔ اور خاص طور پر جب اس واقعہ کا ذکر کرتے تو آپ کی آواز بھرا جاتی۔

فی الحال اتنے ہی واقعات پر اکتفاء کرتی ہوں۔ دعا ہے کہ اے قادر و کریم خدا انکی خطاؤں سے درگذر کر اور ان کی نیکیوں کو قبول فرما۔ اور انکے درجات بلند کر۔

عائشہ بیگم صاحبہ

بیگم احسن صاحبہ

۲۵ فروری ۱۹۸۹ء الفضل اداریہ نے ہمیں اس طرف توجہ دلائی کہ ہم اپنے بزرگوں کے بارہ میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھیں۔ لہٰذا اسی خیال سے خاکسار اپنی والدہ محترمہ کا ذکر کرنا چاہتی ہے۔

خاکسار کی والدہ محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ ان کے والد مستری حسن دین اور والدہ محترمہ گوہر بی بی صاحبہ سیالکوٹ شہر کے رہنے والے تھے۔ یہ لوگ انتہائی سادہ طبیعت کے مالک اور نیک تھے۔ رفیق حضرت بانی سلسلہ عالیہ ہونے کا بھی شرف حاصل تھا جو واقعہ میں بیان کرنا چاہتی ہوں وہ اسوقت کا ہے جب کہ برصغیر ہند و پاک میں طاعون کی وبا بڑی زوروں پر تھی۔ ان گنت لوگ اس وبا کا شکار ہو رہے تھے۔ چاروں طرف موت ہی موت لگ رہی تھی۔ ایک جنازہ اٹھتا نہ تھا کہ دوسرا تیسرا تیار ہو جاتا تھا۔ گھروں سے لوگوں کا نکلنا بند تھا۔ ہمارے ابا جان حافظ (عبدالعزیز) سیالکوٹ چھاؤنی میں رہا کرتے تھے۔ چنانچہ خاکسار کی والدہ محترمہ بیاہ کر یہاں آئی تھیں۔ انہیں دنوں جبکہ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جو تیری چار دیواری کے اندر رہیگا وہ بچایا جائیگا۔ خاکسار کی والدہ صاحبہ انہی دنوں ایک دن اصرار کر کے سیالکوٹ شہر اپنے میکے چلی گئیں۔ اچانک رات کو طبیعت خراب ہو گئی تیز بخار اور بے چینی سے تڑپنے لگیں۔ ہماری نانی جان (گوہر بی بی) اپنی بیٹی کی حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوئیں۔ نمازیں پڑھیں اور رو رو کر دعائیں کیں۔ خاکسار کی والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ (نانی جان) یہی کہتی جاتی تھیں کہ اللہ میاں میں حافظ جی کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ یہ حافظ جی کی امانت ہے اللہ میاں اسے اچھا کر دو۔ خاکسار کی والدہ صاحبہ نے جب یہ حال اپنی والدہ کا دیکھا تو خود بھی اونچی اونچی آواز سے توبہ و استغفار کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران آنکھ لگ گئی تو (والدہ صاحبہ) نے دیکھا۔ ایک بلا میرے سرہانے کھڑی ہے کہتی ہے میں آئی تو تھی مگر تم لوگوں نے اتنی توبہ کی ہے کہ لو میں اب جاتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ طبیعت ٹھیک ہوئی۔ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ صبح جب خاکسار کے والد صاحب لینے آئے سارا واقعہ سنایا اور ان کے ہمراہ سیالکوٹ چھاؤنی اپنے گھر آگئیں۔ خاکسار کی والدہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

محترمہ کو وفات پائے خاصا عرصہ گزر چکا ہے جب کبھی یہ واقعہ یاد آتا ہے ان کا روحانی معصوم چہرہ سامنے آجاتا ہے۔ طبیعت میں انتہائی سادگی تھی۔ بیوہ اور یتیم عورتوں کو اپنی بہنوں اور بچوں کی طرح سمجھتی تھیں۔ ان کے علاج معالجے کھانے پینے، اور کپڑوں وغیرہ کا بہت خیال رکھتیں۔ تلاوت قرآن پاک و نماز تہجد کی باقاعدہ عادی تھیں۔ اکثر ان کی ملنے والیاں فرشتہ ہی کہا کرتی تھیں۔

اسی خاکسار کی والدہ صاحبہ اپنی والدہ صاحبہ (گوہر بی بی) کا کچھ اسی طرح واقعہ بیان کرتی تھیں کہ ایک بکری والا روزانہ دودھ لے کر آیا کرتا تھا۔ جس سے دودھ لیا کرتی تھیں۔ کچھ عرصہ گزرا وہ نہ آیا ایک دن اس کی آواز کچھ عرصہ کے بعد کان میں پڑی اس کو آواز دے کر بلایا اور کہا کہ تم اتنا عرصہ کہاں تھے۔ خیر تو ہے۔ اس نے کہا بے جی میں حج کرنے گیا تھا آج ادھر آیا ہوں تو کہنے لگیں تمہیں یاد نہیں تمہارے پیسوں میں سے ایک دھیلہ میرے ذمہ بقایا تھا۔ میں بہت پریشان تھی کہ خدا کے حضور کیا جواب دوں گی۔ شکر ہے تم آگئے یہ میرا بوجھ ہلکا ہوا۔ دھیلہ دے کر ہی چین آیا بکری والے نے بہت کہا کہ دھیلہ ہی تو ہے رہنے دیں۔ مجھے تو یاد بھی نہ تھا۔"

خاکسار کی والدہ محترمہ اسی طرح اپنے ابا جان (مستری حسن دین) کے بارہ میں بیان فرماتی تھیں کہ بہت سخت طبیعت کے مالک تھے مگر جب پیارے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بیعت کر لی تو حالت ہی بدل گئی۔ غصہ تو نام کا بھی باقی نہ رہا۔ اپنی بیوی کو تو کچھ کہتے ہی نہ تھے بچوں میں بے حد دلچسپی لینی شروع کر دی خاکسار کی والدہ صاحبہ بیان کرتی تھیں کہ بیٹوں سے زیادہ بچیوں سے پیار تھا چھوٹے چھوٹے سونے کے زیورات بنا کر دیئے ہوئے تھے۔ بڑے بھائی مسعود احمد تھے اپنی بیوی کو مسعود احمد کی والدہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ کہتے تھے میری بچیوں کو صاف ستھرا رکھا کرو (چنانچہ نانی جان باقاعدہ نہلا دھلا کر بچیوں کو کپڑے اور زیورات پہنایا کرتی تھیں۔ اسی طرح سیالکوٹ شہر سے راولپنڈی جانا تھا خاکسار کی والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ والد صاحب راولپنڈی کسی آفس میں ملازم تھے۔ والدہ صاحبہ کو لکھا کہ سب بچوں کو لے کر میرے پاس پنڈی آجاؤ۔

ٹرین کا سفر کیا اور رات کو والد صاحب کے پاس پنڈی پہنچ گئے۔ صبح سویرے والد صاحب (نانا جان) آفس چلے گئے بعد میں والدہ صاحبہ نے بچیوں کو نہلا دھلا کر کپڑے تبدیل کئے اور ان کے کہنے کے مطابق زیور پہنانے لگیں۔ تو زیور کا ڈبہ غائب تھا۔ جو رستہ میں کہیں گر گیا تھا۔ بہت پریشان ہوئیں۔ اسی پریشانی کے عالم میں تھیں کہ والد صاحب آگئے۔ کہنے لگے کہ مسعود احمد کی والدہ اتنی پریشان کیوں ہو تمہاری پریشانی کی وجہ مجھے معلوم ہے۔ مجھے پہلے علم ہو چکا تھا مگر خدا تعالیٰ نے مجھے یہ بھی بتلا دیا تھا۔ کہ تم لوگ خیریت سے پہنچ گئے ہو۔ بس خدا کا شکر ادا کرو میرے بچے خیریت سے پہنچ گئے۔ زیور کی کوئی بات نہیں میں اپنی بچیوں کے لئے تمہیں اور زیور بنوا دونگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسی طرح خاکسار کی والدہ محترمہ فرماتی تھیں کہ ہماری بڑی بہن حسین بی بی جب جوان ہوئیں تو ان کی شادی کی فکر ہوئی دعا کی۔ تربیت کے بارہ میں بھی خود خیال رکھتے تھے۔ گجرات سے رشتے کا ایک پیغام آیا دعا کی اور گجرات پیغام بھیجا کہ شادی کے لئے سیالکوٹ شہر پہنچ جائیں۔ نہ خود تحقیق کی نہ ان لوگوں نے جب چند آدمی بارات کے پہنچے تو اپنے ساتھیوں کو بتلایا کہ یہ لڑکا غلام رسول اسی طرح میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ یہ وہی ہے۔ اس کے بعد پتہ لگا کہ غلام رسول صاحب ضلع گجرات جو کہ (۳۱۳) رفقاء میں سے تھے۔ شادی کے لئے آئے ہیں۔ نہایت سادگی سے اپنی بیٹی حسین بی بی ان کے حوالے کر دی۔

احمدیت قبول کرنے کے بعد فکر ہوئی (نانی جان) اپنی بیوی کو قرآن پاک پڑھانا شروع کیا۔ بہت کوششیں کیں مگر چل نہ سکیں۔ آخر خاکسار کے نانا جان نے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمت میں دعا کیلئے عرض کیا۔ تو حضور نے ارشاد فرمایا مستری جی اپنی بیوی کو قرآن پڑھاؤ اب پڑھیں گی اور پڑھائینگی۔ چنانچہ اسی طرح قرآن کریم پڑھا اور اس کے بعد بہت سے گھرانوں کو پڑھایا۔ نانا جان ہمارے جلد وفات پا گئے۔ قرآن کریم کی برکت سے ہماری نانی جان نے بیوگی کا زمانہ بڑی عزت و احترام سے گزارا۔

دعائیں کرتے ہوئے لازمی چندہ جات، چندہ عام حصہ آمد چندہ جلسہ سالانہ ادا کریں

ناظر مال

محترم پیر محمد صاحبؓ (اونچے مانگٹ)

شمس الاسلام ۔ میڈیکل سٹوڈنٹ فیصل آباد

میرے دادا جان پیر محمد صاحب آف اونچے مانگٹ مورخہ ۱۲ اور ۱۳ فروری ۱۹۸۹ء کی درمیانی شب بقضائے الٰہی وفات پا گئے آپ نے بفضل تعالیٰ ۱۰۷ سال لمبی عمر پائی۔

دادا جان نے قدرت ثانیہ کے پہلے مظہر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آپ کو سلسلہ عالیہ احمدیہ سے والہانہ محبت تھی۔ اور آپ نہایت مخلص اور فدائی احمدی تھے۔ بیعت کے وقت آپ ان پڑھ تھے۔ پھر قادیان آنا جانا ہوا تو آپ کو حصول علم میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ آپ نے سلسلہ کے ممتاز علمائے کرام کی صحبت اختیار کی۔ اور پڑھنا سیکھا۔ اس کے بعد آپ ہمہ وقت سلسلہ عالیہ کی کتب، قرآن کریم کا مطالعہ کرتے رہتے۔ آپ نے کافی وقت حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے ساتھ گذارا۔ جو آپ سے بہت محبت کرتے تھے

قدرت ثانیہ کے دوسرے مظہر آپ کے ساتھ بہت پیار سے پیش آتے تھے۔ شروع شروع میں جب آپ حضور سے ملتے گئے تو حضور نے آپ کو برابر والی کرسی پر بیٹھنے کو فرمایا۔ آپ نے جواباً کہا کہ حضور میری یہ اوقات نہیں ہے کہ آپ کے برابر بیٹھ سکوں۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں بھی نیچے ہی بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ سنتے ہی آپ کو بہت احساس ہوا اور فوراً کرسی پر بیٹھ گئے۔ آپ کہتے تھے کہ ایسے خدا کے پیاروں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ خود کو مخلوق کے برابر سمجھتے ہیں۔ اس سے برتر نہیں۔

خدا تعالیٰ نے آپ کو زبردست ذہانت اور فراست عطا فرمائی تھی۔ آپ بحث مباحثے میں مدمقابل کو جلد زیر کر لیتے اور غیر از جماعت لوگ بھی آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔

آپ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور تہجد گذار تھے۔ نہایت عاجزی اور گریہ زاری کے ساتھ خدا کے حضور گڑگڑاتے اور دعائیں مانگتے تھے۔ آپ ہمیں اکثر یہ نصیحت کرتے کہ اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ اس سے زیادہ سے زیادہ مانگو کم ہرگز نہ مانگو۔ آپ نے کم وسائل کے باوجود اپنی اولاد کو تعلیم دلوائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیک، لائق اور خادم دین اولاد سے نوازا۔ آپ بہت پیار کرنے والے حلیم اور شفیق انسان تھے۔ اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں اور پڑپوتے پڑپوتیوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ اور وہ سب بھی آپ سے بہت پیار کرتے تھے اور آپ کو دل وجان سے چاہتے تھے۔ آپ ان سب کی تعلیم کا بہت خیال رکھتے۔ ہر بچے کی کلاس اور تعلیمی حالت کا آپ کو علم ہوتا تھا۔ جو بچہ بھی اعلیٰ کارکردگی دکھاتا اس کی بہت حوصلہ افزائی کرتے اور اپنی طرف سے انعام دیتے۔ اور سب کے لئے بہت دعائیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج آپ کے پوتوں میں شاہد، ڈاکٹر، کمیشنڈ آفیسر، بنکر، ایم۔ اے۔ ایم۔ ایس سی۔ ایم بی اے اکاؤنٹنٹ آفیسر الغرض ہر قسم کے اعلیٰ تعلیمیافتہ شامل ہیں۔

حال ہی میں آپ کی ایک پوتی مکرمہ صالحہ صدیقہ صاحبہ نے بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی ملتان میں بی فارمیسی کے فائنل امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی اور گولڈ میڈل کی حقدار قرار پائیں۔

آپ بفضل تعالیٰ موصی تھے۔ اور بہشتی مقبرہ میں آپ کی تدفین ہوئی۔ آپ کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ پانچوں بیٹے بفضل تعالیٰ موصی ہیں اور نہایت مخلص اور کام کرنے والے احمدی ہیں۔ وفات سے چند روز قبل آپ نے ایک کشف دیکھا کہ لوگ مجھے برا بھلا کہہ رہے ہیں اور انہوں نے مجھے جان سے مار ڈالا ہے۔ تاہم خدا نے مجھے زندہ کر دیا۔ اس کے بعد آپ بہت ہی مطمئن اور خوش تھے۔ کہنے لگے اگرچہ میرا جسم تکلیف میں ہے (جب آپ بہت بیمار تھے) تاہم میری روح بہت سکون میں ہے۔ ایک دو روز بعد آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ تین چار روز بے ہوشی طاری رہی اور پھر اسی حالت میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لمبی عمر عطا فرمائی اور صد سالہ جوبلی کے مبارک سال میں اپنے پاس بلا لیا۔

احباب کرام سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دادا جان کو اپنے حضور بلند مقام عطا کرے۔ آپ سے انتہائی پیار کا سلوک فرمائے اور ہم سب کو یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی توفیق بخشے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صدسالہ احمدیہ جوبلی فنڈ کے بارہ میں

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ کا ارشاد

"جماعت میں ایسے نوجوان ہیں جو بعد میں آکر برسرِ روزگار ہوئے .... وہ اس وعدہ میں شامل نہیں ہوسکے .... بہت سے ایسے ہیں جو پہلے اخلاص کے معیار میں کمزور تھے اور خدا کے فضل سے آگے بڑھ گئے ہیں ...... بہت سے نئے احمدی ہوئے ہیں ..... انکو مالی قربانی میں فوراً شامل کرنا ان کی زندگی کے لئے اور ان کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ ان کی طرف توجہ دینا ہے۔ ان کو بتانا چاہیئے کہ اتنی عظیم الشان تحریک ہے جو صد سالہ جشن سے تعلق رکھتی ہے .... گذشتہ سو سال کی تاریخ میں آپ کی قربانی شامل ہو جائے گی۔ احمدیت کے آغاز کے پہلے دن سے لے کر اس جشن کے سال تک خدا تعالےٰ آپ کی قربانی کو سارے سالوں پر پھیلا دے گا .... اتنی عظیم الشان قربانی کا وقت ہو اور آپ پیاروں کو محروم رکھیں یہ ...... ناجائز بات ہے۔ یہ ظلم ہے ان لوگوں پر ....

اللہ تعالےٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے اس کے لئے کمر ہمت باندھیں اور پورے زور سے اس طرح جس طرح WAR FOOTING کہتے ہیں جہاد کی روح کے ساتھ ساری دنیا میں عظیم الشان تحریک چلائیں"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ر جنوری ۱۹۸۷ء)

وکیل صد سالہ احمدیہ جوبلی فنڈ

اعانت الفضل

لجنہ اماء اللہ قیادت ۳ کراچی نے روزنامہ الفضل کے دوبارہ اجراء کی خوشی میں یکصد روپے بطور "اعانت الفضل" ارسال فرمایا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بے شمار فضلوں سے نوازے۔

(ادارہ)

حضرت حکیم نظام جان کے

مشہور دواخانہ پر

حکیم عبدالحمید اعوان

ہر ماہ کی ۵-۶-۷ تاریخ کو اقصیٰ چوک (نزد ٹیلر بکس) ربوہ میں حاضر ہوتے ہیں خواتین کیلئے معائنہ کا مستقل طور پر انتظام ہے

مینیجر **مشہور دواخانہ**

نزد ٹیلر بکس اقصیٰ چوک ربوہ فون ۹۰۶

KIDNY STONE COURSE || **پتھری گردہ کورس**

۴۰ روزہ کورس قیمت /۱۵۰ لٹریچر /۳ کے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر منگوائیں

کیورٹیو میڈیسن کمپنی رجسٹرڈ **ربوہ فون:** سیلز: ۷۷۱ کلینک: ۶۰۶ رہائش ڈاکٹر: ۶۰۷

فہرست مجلس عاملہ انصار اللہ مرکزیہ

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کی منظوری سے سال ۱۳۶۸ہش/۱۹۸۹ء کے لئے مندرجہ ذیل اصحاب کو مجلس عاملہ انصار اللہ مرکزیہ کا رکن مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ تقرر مجلس کے لئے اور ان اصحاب کے لئے بابرکت فرمائے۔

اراکینِ خصوصی

۱	مکرم و محترم	مرزا عبدالحق صاحب	
۲	"	چوہدری احمد مختار صاحب	
۳	"	چوہدری محمد انور حسین صاحب	
۴	"	صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب	
۵	"	حضرت مولوی محمد حسین صاحب	
۶	"	شیخ مبارک احمد صاحب	(امریکہ)
۷	"	سوہن ہنسن صاحب	(ڈنمارک)
۸	"	عبدالوہاب بن آدم صاحب	(غانا)
۹	"	چوہدری مشتاق احمد باجوہ صاحب	(سوئٹزرلینڈ)
۱۰	"	چوہدری ہدایت اللہ صاحب بنگوی	(انگلستان)
۱۱	"	مظفر احمد ظفر صاحب	(امریکہ)
۱۲	"	مصطفےٰ ثابت صاحب	(کینیڈا)
۱۳	"	شریف احمد صاحب کوبس	(انڈونیشیا)
۱۴	"	ھبۃ النور فرہاخن صاحب	(ہالینڈ)
۱۵	"	عبداللہ واگس ہاؤزر صاحب	(جرمنی)

عہدیداران :-

۱	نائب صدر اوّل	مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب
۲	" صف دوم	" محمد دین صاحب ناز
۳	نائب صدر	" چوہدری شبیر احمد صاحب
۴	قائد عمومی	" میجر عبدالقادر صاحب
۵	" تعلیم	" منور شمیم خالد صاحب
۶	" تربیت	" محمد اسلم شاد منگلا صاحب
۷	" تجنید	" محمد اسلم صابر صاحب
۸	" ایثار	" ڈاکٹر لطیف احمد قریشی صاحب
۹	" اصلاح و ارشاد	" محمد اسماعیل صاحب منیر
۱۰	" ذہانت، صحت جسمانی	" صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب
۱۱	" مال	" عبدالرشید صاحب غنی
۱۲	" وقفِ جدید	" شیخ مبارک احمد صاحب
۱۳	" تحریکِ جدید	" ملک منور احمد جاوید صاحب
۱۴	" اشاعت	" صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب
۱۵	" مجالسِ بیرون و قلمی دوستی	" صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب
۱۶	آڈیٹر	" قریشی محمد عبداللہ صاحب
۱۷	زعیم اعلیٰ ربوہ	" مولوی محمد صدیق صاحب شاہد

(صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

گناہ ایک زہر ہے اسے مت کھاؤ (حضرت بانی سلسلہ)